OPEN ACCESS
ACTA ISLAMICA
ISSN (Print): 2411-7315
http://sbbu.edu.pk/actaislamica

مسیحیت کے بنیادی عقائد کا پس منظر تاریخی حقائق کے تناظر میں:

Background of the Basic Doctrines of Christianity in the Light of Historical Facts

Israr ul Haq
Ph.D Research Scholar
Shaykh Zayed Islamic Centre University of Peshawar

Prof. Dr. Sahib Islam
Shaykh Zayed Islamic Center, University of Peshawar

ABSTRACT

Basic and fundamental concepts play eminent role in the embodiment of a religion. In this connection, the appropriation of basic and fundamental concepts and beliefs lead to indeclination and sustenance of a religion. The religion based on human thinking proved feeble and ineffective due to its immature and unreasonable beliefs and basic concepts.

The basic and fundamental concepts and beliefs of Christianity have its own background. This background foregrounds, that when Jesus Christ was raised to heaven, Christianity had started fabrications and it has more defaced with the passage of time. Hundreds years later, people met with a Christianity which was based on fake beliefs instead of a genuine and pure one. These things confused humans for centuries and a reasonable person's mind does not accept it.

The current shape of the New Testament mirrors a person who has fictive background, which is not trustable. He has neither seen nor lived in his company rather he was in the front row of Christ's enemies and antagonists. Suddenly, he was seen leading the followers of Christ. He is known as Saint Paul who was rapidly being accepted among the people because of his intelligence, knowledge and the power rhetoric. In that era Saint Paul influenced continuously the minds of the people. Withen few years, the true preaching of Christ's followers resulted a hatred in the minds of Pauline's followers.

According to Modern Christianity. Trinity, Atonement, Incarnation, Divinity and other faiths/beliefs are Pauline's views. His influence is visible in the four Gospels which were later attributed to Christ's followers. Such beliefs were preached with tactful smartness and which can be seen in modern journals and preaching posts. But! What are the facts?...........

This research tries to answer this question with evidence and as a result the reality of Pauline's Christianity is unveiled. On one hand, the underview article puts lights on the faiths and beliefs of Christianity, on the other hand, it unveils the Pauline's interpolations with facts and evidences.

تعارف

CC BY

مسیحیت کے بنیادی عقائد کا پس منظر تاریخی حقائق کے تناظر میں:

بنیادی عقائد وافکار کسی بھی مذہب کی تاسیس اور تشکیل میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔اس حوالے سے کسی مذہب کے عقائد واعمال اور دینی افکار وتصورات جتنے معقول، متناسب اور مہذب ہونگے اتنا ہی وہ مذہب پائیدار اور غیر زوال پذیر ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی فکر کی اساس پر بننے اور پروان چڑھنے والے مذاہب کے غیر پختہ عقائد وافکار آنے والے زمانوں میں انہی مذاہب کی ناممکن العملیت کا موجب بنے ہیں۔

مسیحیت کے بنیادی عقائد اپنا ایک الگ پس منظر رکھتے ہیں۔ یہ پس منظر بتاتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کے رفع الی السماء کے بعد اپنے ابتدائی دور ہی میں مسیحیت بگاڑ سے دوچار ہو چکی تھی۔اور آنے والے زمانوں میں مسیحیت جتنا بھی آگے بڑھتی اس بگاڑ میں اور بھی اضافہ ہوتا۔ نتیجتاً سینکڑوں سال بعد دنیا کو ایک ایسی مسیحیت سے واسطہ پڑا جو اصل کے بجائے مصنوعی عقائد کا مجموعہ تھا۔ جس نے صدیوں سے عقل انسانی کو الجھا رکھا ہے اور جو کسی عقل مند کے عقل کو تسلیم نہیں۔

مسیحیت کا عہد نامہ جدید اپنی موجودہ شکل میں ایک ایسے شخص کے فکر وذہن کا آئینہ دار ہے جو ایک افسانوی پس منظر رکھتا ہے جن پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔اس نے جناب مسیحؑ کو خود نہ تو دیکھا نہ انکی صحبت میں رہا۔ بلکہ ایک مدت تک ان کے پیروکاروں کے بدترین مخالفتوں اور دشمنوں کی صف اول میں نمایاں رہا۔ اچانک لوگوں نے دیکھا کہ وہ جناب مسیحؑ کے پیروکاروں کی قیادت کر رہا ہے اور جناب مسیحؑ کے نام سے ان کے اقوال وارشادات کے بجائے اپنی من گھڑت باتیں بیان کر رہا ہے۔ یہ شخص جسے تاریخ پولوس کے نام سے جانتی ہے اپنے اثر ورسوخ، ذہانت، علم اور طلاقت لسانی کے بل پر عامۃ الناس میں بڑی تیزی سے مقبولیت حاصل کرتا چلا گیا۔ پولوس اس زمانے کے ذہنوں کو مسلسل متاثر کرنے میں لگا رہا، یہاں تک کہ چند سال کے اندر یہ کیفیت پیدا ہو گئی کہ جناب مسیحؑ کے سچے پیروکاروں کے لیے جناب مسیحؑ کی حقیقی تعلیمات کو پیش کرنا اور بیان کرنا مسیحیت دشمنی اور مسیحیوں میں ذہنی انتشار پھیلانے کے ہم معنی سمجھا جانے لگا۔

جدید مسیحیت کی رو سے تثلیث، کفارہ، تجسیم خداوندی، الوہیت وابنویت مسیح اور اس قسم کے دیگر عقائد کا منبع پولوس کے افکار ہیں۔ جن کی چھاپ اناجیل اربعہ پر نمایاں نظر آتی ہے جو بعد میں حضرت عیسیٰؑ کی حواریوں کی طرف منسوب کی گئیں۔اس قسم کے دعوؤں کی اشاعت اور تبلیغ میں کافی مستعدی اور چالاکی سے کام لیا گیا جس کا اندازہ عہد نامہ جدید میں شامل تبلیغی خطوط اور رسالوں سے لگایا جا سکتا ہے۔ لیکن حقائق کیا ہیں؟

دوران تحقیق اسی سوال کا مدلّل جواب تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔اور نتیجے کے طور پر پولوسی مسیحیت کا پول کھولا گیا ہے۔ زیر نظر مضمون میں جہاں ہزاروں سال پر محیط مسیحیت کے عقائد ونظریات اور افکار واعمال کے پس منظر پر روشنی ڈالی گئی ہے وہاں ان عقائد کے زمرے میں پولوس کے تحریفی کردار کو بھی حقائق وشواہد کی روشنی میں پوری طرح بے نقاب کیا گیا ہے۔

مسیحی عقائد کا پس منظر:

یونان سینکڑوں سال پر محیط اتار چڑھاو کا سامنا کرتے آیا ہے۔ تاہم اتار چڑھاو کے اس عمل میں الٰہیات سے متعلق بنیادی تصورات اور عقائد کسی بھی دور میں متاثر نہیں ہوئیں۔ یونانی مذہب انسانی صفات خدا سے منسوب کرنے اور کئی خدا ماننے پر مشتمل تھا۔ متعدد دیوتاوں کی پوجا کی جاتی تھی۔ انکے معبود انسانی شکل سے مماثل تھے[1]۔ اسلئے صفات انسانی سے بھی متصف تھے جیسے تزوج اور تناسل اولاد۔ اسی ترتیب سے معبود الٰہ الاب، الٰہ الاُم، الٰہ الابن اور ابن الٰہ قرار دیا گیا۔ ان معبودوں کی باقاعدہ انسانی شکلوں میں بڑے بڑے مجسّمے مختلف مقامات پر نصب کئے گئے تھے۔ معتقد کو اپنا معبود ماننے یا اپنے حسب ذوق تبدیل کرنے کا پورا اختیار ہوتا تھا[2]۔ قدیم یونان کے "ہومر مذہب" میں دیوتا "زیوس" کو تمام انسانوں اور دیوتاؤں کے باپ ہونے کا شرف دے دیا گیا ہے۔ جو اکثر آسمان سے زمین پر آتا رہتا اور لوگوں سے ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ پالس ایتھنی Pallas Athene اس کی ایک کنواری بیٹی ہے۔ زیوس کا ایک بیٹا ہرمس (Hrmes) دیوتاؤں کو پیغامات پہنچاتا ہے[3]۔ یونانی معبودوں میں دیوتا زیوس بڑا معبود ہے اور جملہ کائنات کا حاکم ہے۔ آسمانی بجلی کی چمک اور گرج کیلئے زیوس مخصوص دیوتا تھا۔ یہ نہ صرف رحمان اور رحیم ہے بلکہ جبّار اور قہّار بھی ہے۔ زیوس خدا باپ کی ہم نشین اسکی بیوی ملکہ ہیرا (خدا ماں) ہے۔ یہ پرورش مویشی کی دیوی تھی۔ زیوس کا اپنی بیوی ہیرا سے ھفستس بیٹا (خدا بیٹا) پیدا ہوا۔ اسی وجہ سے زیوس الٰہ الاب، ہیرا الٰہ الاُم اور ھفستس ابن الٰہ ٹھرائے گئے[4]۔

یونان کے یہ دیوتا انسان ہوتے ہوئے بھی غیر فانی سمجھے جاتے۔ اور ان کو عام انسانوں سے زیادہ زور آور، قوی اور طاقت میں لامثال سمجھا جاتا۔ دیوتاؤں کی قدرت میں یہ بات تھی کہ چاہے تو خود کو انسانوں کے آگے ظاہر کریں یا نظروں سے اوجھل ہو جائیں۔ ان کے بارے میں عام خیال یہ تھا کہ وہ زمین پر آتے رہتے ہیں[5]۔

تمام انسانوں کو تکلیف، مصیبت اور گناہ سے بچانے اور تحفظ و نجات دلانے کے لیے خدا یا خدا کے بیٹے کا انسانی شکل وصورت اختیار کرنے کا عام عقیدہ حضرت مسیحؑ کے پیدائش سے قبل بے شمار اقوام میں رائج تھا، خصوصاً ان مذاہب میں جسے آج عیسائی Paganism کہتے ہیں۔ جن کے دیوتا انسانیت کے نجات کے لیے مصلوب ہوئے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ سے بہت پہلے مختلف ممالک میں دیوتاؤں کے مر کر دوبارہ زندہ ہونے کا عقیدہ موجود تھا۔ اس یونانی اعتقاد کی ایک مثال "ڈیونیسس" (Dionysus) ہے جو کہ ابن الٰہ ہے۔ قدیم یونانی دیومالائی قصوں میں خدا ڈیونیسس بڑے خدا زیوس کا محبوب بیٹا تھا۔ ڈیونیسس کے معنی ہیں خدا کا بیٹا۔ جو پیدائش سے پہلے زیوس الٰہ کے ساتھ آسمانوں میں عرش پر تھا۔ یہی ڈیونیسس جو خود الٰہ الشمس (سورج کا دیوتا) تھا، 25 دسمبر کو کنواری عورت "دمتر" سے پیدا ہوا۔ اس خدا کو ٹائیٹین Titan نے مار کر کھایا۔ ٹائیٹین ایک دیو ہیکل مخلوق تھی۔ جو دنیا پر آدمیوں سے پہلے بستی تھی۔ ڈیونیسس کو باپ زیوس کے پاس بھیج دیا گیا۔ جس نے غصہ میں آکر Titan کو اپنی بجلی سے جلا دیا۔ اور ڈیونیسس کو دوبارہ زندہ کیا۔ ٹائیٹین کی راکھ سے انسان پیدا ہوئے۔ ان میں زیوس کے تعلق سے نصف ماہیت تو خدا کی ہے اور نصف ماہیت انسانوں کی۔ یونانیوں کا عقیدہ تھا کہ ڈیونیسس مقدس

بیٹے نے نسل انسانی کو گناہ اول سے نجات دلانے کے لیے فدیہ آدا کیا۔اور جسے تکلیف دے کر قتل کیا گیا تاکہ لوگوں کی نجات اور خلاصی ممکن ہو[6]۔اسی ڈیو نیسس بیٹے نے بشریت کو گناہ اول سے بچانے (نجات دلانے) کے لیے فدیہ دے کر تعذیبی موت کو گلے لگایا تاکہ بشریت گناہ اول کے نقصان سے نجات پاسکے[7]۔اسی مقصد کے لیے محبوب بیٹے کو زمین پر بھیجا گیا تھا۔

وکان الاحتفال بذکری موته ونزوله الی الجحیم وبعثه تقام سنویا فی الیونان القدیمة[8]۔

قدیم یونان میں ان کی موت،جی اٹھنے اور دوبارہ نازل ہونے کی خوشی میں سالانہ تقریب مناتے

انسانی شکل وصورت اور بشری اوصاف رکھنے والے ان معبودوں میں اگر کوئی معبود خدا باپ ہے تو ساتھ ساتھ خدا ماں اور خدا بیٹا بھی موجود تھا۔مثلاً زیوس اگر خدا باپ ہے تو ہیرا خدا ماں اور ہفستس خدا بیٹے کا بھی تصور تھا۔

یونان اور روم میں انہی خیالات وتصورات کا غلبہ تھا۔اور بہت سے مذہبی فرقوں کا یہ پکا عقیدہ تھا کے ان کے دیوتا نیک اور برگزیدہ انسانوں کے جسم میں حلول کر سکتے ہیں۔اس سوچ کے مطابق الٰہ نازل ہو کر انسانی جسم سے گھل مل جاتا ہے یا خدائی روح انسان میں حلول کر جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ انسان پھر عام انسانوں سے درجہ میں اعلیٰ مقام حاصل کر پاتا ہے لیکن خدائی حقیقی کے مقابلہ میں اس کا درجہ کم اور ادنی ہوتا تھا۔انہی تصورات نے عام اور ان پڑھ لوگوں کے علاوہ تعلیم یافتہ طبقے پر بھی اثرات مرتب کیے۔ نتیجتاً فیثاغورث (503-588ق م) جیسا فلسفی (جو فلسفہ،ادب،ریاضی اور سلوک کا ماہر تھا) بھی تناسخ ارواح اور حلول کا نہ صرف معترف اور قائل تھا[9] بلکہ اس عقیدے کا پکا معتقد تھا[10]۔اسی طرح افلاطون (347-429ق م) بھی انہی خیالات کا معتقد تھا[11]۔افلاطون کے معتقدین میں سے بعض اسکو ابن الٰہ (یعنی ابلو خدا کا بیٹا) سمجھتے تھے۔ جبکہ بعض کا یہ خیال تھا کہ یہ بذات خود الٰہ (یعنی ابلو) ہے[12]۔ فیثاغورث کے مطابق تمام کائنات کا آپس میں قرابت ہے[13]۔

حضرت مسیحؑ کی پیدائش سے قبل (6 یا 5ق م) انہی خیالات کا چرچہ تھا۔جس کے تحت الٰہ نازل ہو کر جنس انسانی کے ساتھ حلول کر کے اتصال کر پاتا ہے۔اور اسی وجہ سے وہی انسان عام انسانوں سے درجہ میں اونچا جبکہ الٰہ سے ادنی درجہ رکھتا ہے[14]۔اسی جنسی اتصال میں اگر الٰہ نازل ہو کر انسانوں میں سے کسی عورت سے متصل ہو کر اس میں حلول کر جاتا ہے تو یہی عورت ضرور بادشاہ یا معبود جنم دے گی۔ جیسے "زیوس" (معبود اور خدا) کا جب آکمینا کے ساتھ اتصال ہوا تو اس کے نتیجہ میں ہر قل پیدا ہوا[15]۔

اسی طرح انبادوقلیس (430-490ق م) بھی تناسخ ارواح کا معتقد تھا اور خود کو الٰہ سمجھتا اور دلیل یہ پیش کرتا کہ اسکی ولادت سے پہلے اسکی الوہیت کی وجہ سے اسکو وحی کی جاتی تھی۔اور یہ کہ یہ ابلو کا محبوب ہے۔ مگر عام لوگ اسکی باتوں کی تصدیق نہ کرتے تھے۔اس نے لوگوں کے سامنے اپنے سحر سے بیماروں کا علاج کر کے ٹھیک کیا اور لوگوں کو اپنا معتقد بنایا

یہاں تک کہ عام لوگ اسکے دعوہ الوہیت کی تصدیق کرنے لگے [16]۔

سکندر المقدونی (323-356ق م) بھی یونانی ہیروں میں سے تھا۔ جو یونان کا عظیم لیڈر اور غالب حکمران تھا۔ صحرا میں اس پر آواز کی گئی تھی کہ انت ابن اللہ۔ بعد میں زمین پر الٰہ بن بیٹھا۔ اور اوامر، مکاتیب اور احکام جاری کرتا۔ اسلئے سقراط نے سکندر کو الٰہ اور ابن المشتری کے نام سے ذکر کیا ہے۔ بطلیموس سوتیر سکندر مکدونی کے اہم لیڈروں میں سے تھے اور سکندر کی موت کے بعد بادشاہ بنا۔ یہ بھی یونان میں الٰہ مانا جاتا تھا [17]۔

عقیدہ الوہیت میں اہل روم یونانیوں سے مشابہ تھے [18]۔ قوم کے ہیرو اور بادشاہ و حکماء الٰہ سمجھے جاتے تھے۔ یہی الٰہ بھی شکل و صورت میں انسان تھے۔ رومی لوگ ان کے نام کی قربانیاں دے کر ان کی عبادت کرتے اور ان کے مجسمے بنا کر ان کو اے ہمارے رب، اے ہمارے استاد اور اے ہمارے سردار اور اے ہمارے معبود کے ناموں سے پکارتے [19]۔

رومی مملکت کا بانی رومولوس (771ق م) اہل روم کا مشہور الٰہ تھا۔ جو ایک کنواری ریا سلفیا نے جنم دیا۔ یہی ریا سلفیا تھی جس نے خود کو ہیکل کی خدمت اور عبادت کیلئے وقف کیا تھا۔ ایک دن جب ریا سلفیا ہیکل میں تھی تو رومیوں کا معبود مارس یا مریخ جو کہ الٰہ الحرب بھی تھا ان کے پاس آیا اور ریا سلفیا اس سے حاملہ ہوئی [20]۔ جس نے رومولوس کو جنم دیا جو ابن اللہ کہلانے لگا۔ مؤرخ ویل ڈیورنٹ کے مطابق اسی رومولوس نے روم پر طویل عرصے تک حکمرانی کی اور بعد میں پھر اسکا رفع الی السماء ہوا۔ رومیوں نے رومولوس کو الٰہ کا درجہ دیا تھا۔ اور اس کے عقیدت مند ان سے محبت کرتے اور کویرینوس (Quirinus) کے نام سے اسکی عبادت کرتے تھے [21]۔ رومولوس کی موت پر کائناتی حادثے میں سورج گرہن ہو گیا اور تقریباً چھ گھنٹے تک اندھیرا چھایا رہا [22]۔

اغسطس (63BC-14AD) اٹھارہ سال کی عمر میں قیصر روم کا تخت نشین ہوا۔ رومی لوگوں نے اسے الٰہ ٹھہرایا اور معبدوں میں اسکی عبادت کی جانے لگی [23]۔ اغسطس کی زندگی ہی میں اسکو الٰہ کا درجہ دیا گیا تھا۔ اس کے معتقدین میں سے بعض نے اس کو الٰہ، الٰہ ابن الٰہ اور بعض اسکو مسیح سمجھنے لگے [24]۔

بادشاہ جایوس (54-68AD) کے احترام میں بھی مبالغہ سے کام لیا گیا یہاں تک کہ عوام اسکے پاوں کا بوسہ لے کر اسکے الٰہ ہونے کا اعتراف کرنے لگے۔ جایوس (الٰہ) کی بھی ایسی ہی عبادت کی جاتی جس طرح مصر قدیم کے فراعنہ بادشاہوں کی کی جاتی تھی۔ اسی طرح رومی بادشاہ کالودیس کی ولادت پر سورج گرہن ہوا تھا اور رومی اعتقاد کے مطابق یہ اسکی الوہیت پر دلیل تھی۔ اسی کالودیس کو بھی الوہیت کا درجہ دے کر اس کی عبادت کی جاتی تھی [25]۔

اہل یونان کا انسانوں کو الوہیت کا درجہ دینے کے اسباب میں سے یہ تھا کہ وہ انسان یا تو رعب اور دبدبے کے مالک تھے۔ اور یا وقت کے حکمران، بادشاہ اور عظیم لوگ تھے۔ اور عام انسانوں کے مقابلے میں طاقتور اور قدرت والے تھے۔ انہی اسباب کے بناء پر یونانی عوام اپنے بادشاہوں کے سامنے امتیازی طرز اپنا کر ان کے احترام میں مبالغہ سے کام لیتے۔ ان کے

پاؤں میں گر کر بوسہ لیتے تھے۔ اور ان کے قدموں میں سجدہ ریز ہوتے تھے۔ ایک سبب یہ بھی تھا کہ اہل یونان حلول کا عقیدہ رکھتے تھے جس کے تحت الٰہ انسانی جسم میں اور خاص کر بادشاہ، حکمران اور عظیم لوگوں کے جسموں میں حلول کر جاتا ہے۔ اور یہی لوگ پھر عام انسانوں سے اعلیٰ درجہ اور مقام حاصل کر لیتے ہیں۔ اور یوں الوہیت کے ساتھ ایک قسم کا سلسلہ منسلک ہوتا ہے۔ جس میں بعض الٰہ کے درجہ کو پاتے ہیں، بعض ابن الٰہ اور بعض مجسم الٰہ ہوتے ہیں۔ ان بادشاہوں کے احکامات اور فرامین وحی کا درجہ رکھتے تھے۔ اور ان سے روگردانی کرنا حقیقی الٰہ سے روگردانی اور اخراج کے مترادف تھا[26]۔ انہی خیالات نے یونانیوں کو بادشاہوں کے سامنے جھکا کر ان کے قدموں میں گرا دیا تھا۔ اور بادشاہوں کے سامنے عاجزی کے ساتھ سجدوں پر مجبور کیا۔ متبعین انہی بادشاہوں (خداؤں) کے سامنے فریاد بھی کرتے تھے۔ اسی خیال اور نظر نے انسان کی الوہیت کا راستہ ہموار کیا تھا۔ ان حقائق سے پتہ چلتا ہے کہ یونانی معاشرہ میں عام لوگ اس بات سے بہت اشنا تھے کہ الٰہ انسانی جسم میں حلول کر کے وہی انسان پھرا گرچہ انسان (بادشاہ، حکمران، حکیم) نظر آرہا ہو لیکن یونانیوں کی نظر میں وہ مجسم خدا تھا۔ اور ان کی تعظیم کی جاتی تھی[27]۔ یہی وجہ ہے کہ یونانیوں نے فیثاغورث، انباد وقلیس وغیرہ کو الٰہ ٹھہرایا تھا کہ حقیقی الٰہ نے ان کے جسم میں حلول کیا ہے۔

اسی طرح حلول و تجسم کا تخیل یونان اور مصر کے علاوہ قدیم ہندوستان میں بھی موجود تھا جو انسانوں کو خدا کا اوتار سمجھتے تھے۔ ہندو لوگ رام چندر، کرشن اور اپنے اوتاروں کی نسبت یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ مختلف عورتوں کے پیٹ سے ان اوتاروں کی صورت میں مجسم ہو کر نمودار ہوا۔ ان کے خیال میں وشنو دیوتا مختلف اوقات میں ظاہر ہوتا۔ روپ تو رام کرشن اور بدھ کا تھا مگر در اصل ان کے اندر وشنو یا بھگوان تھا جو ان کے رگ وپے میں جاری وساری تھا۔

قدیم وقتوں میں آئرلینڈ سے لے کر بشمول جرمنی، روم، یونان، قدیم ایران، ہندو، بدھ، مصری، چینی، جاپانی سبھی بت پرست اقوام ومذاہب میں تثلیث یعنی ایک خدا کے تین روپ ہونا کسی نہ کسی صورت مانا جاتا تھا۔ یونانی فلسفہ میں افلاطون اور اس کے پیروکار ماہیت خداوندی (Devine Nature) کی تین حیثیتوں کو سبب اول (First Cause) حکمت وکلام (Reason or Logos) اور روح کائنات (The soul and spirit of the universe) کی حیثیت سے پہچانتے تھے۔ جس نے بعد میں مسیحی تثلیث کی بنیاد رکھی[28]۔

قدیم یونان میں

بادشاہ اور حکمران خود کو دیوتاؤں کی نسل سے سمجھنا پسند کرتے تھے۔ اور خود کو خدائی جوہر سے سمجھتے تھے[29]۔

رومی تصورات میں جوپیٹر دیوتا کے بارے میں مشہور ہے کہ جوپیٹرا نے دیکھا کہ دنیا گناہوں سے بھر گئی ہے، لہٰذا لوگوں کو گناہوں سے پاک کرنے کے لیے جوپیٹرا نے ایک کنواری لڑکی پر اپنا سایہ ڈالا، جس سے وہ حاملہ ہو گئی اور اس نے دنیا کے نجات دہندہ کو جنا۔ اس کا اکلوتا بیٹا "بیکس" (بیکس ابن جوپیٹرا) پیدا ہوا۔ بیکس ابن جوپیٹرا (خدا) بھی انسانوں کو مصائب

اور گناہ سے نجات دلانے کے لیے مصلوب ہوا۔ جوپیٹر دیوتا نے اپنے دیوتا بیٹے "بیکس" کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے انسانوں کے گناہوں کے صدقے کے طور پر قربان کیا تھا۔ اس نے انسانوں کے دکھ دور کرنے کے لیے اپنے آپ کو دکھ اور درد میں ڈالا، مر گیا، اس کے جسم کے ٹکڑے کئے گئے۔ اور اس کے پرستار اس کو اکلوتا بیٹا، المقتول، گناہ اٹھانے والا منجی (منجی الاثمین) وغیرہ کے ناموں سے یاد کرتے ہیں[30]۔

بابل میں سب قسم کے دیوتاؤں کے مندر ان کی مذہبی حکومت گاہ تھے۔ لیکن بڑے بڑے دیوتاؤں کی طاقت خاص جگہ یا حدود و حرکات پر محدود تھی۔ "آنو" آسمان کا "بعل" زمین کا اور "ایاہ" پاتال کا دیوتا تھا[31]۔

تثلیث افلاطون کے ہر دل عزیز بت پرست فلسفہ کا ایک حصہ تھا۔ اس عقیدہ کو افلاطون نے شروع نہیں کیا تھا، بلکہ اس کی ابتداء نمرود کے زمانہ میں ہوئی تھی جو حام کا پوتا تھا۔ اور جو خداوند کے سامنے ایک شکاری سورما تھا[32]۔ جس نے اپنی ماں سمراسی سے شادی کی تھی۔ اور بعد میں اہل بابل نے اسے اور اس کی ماں جو اس کی بیوی بھی تھی دونوں کو خدائی رتبہ دے دیا اس طرح سے وہ لوگ دیوتاؤں کی ترمورتی کو مانتے تھے، جس میں نمرود کو باپ اور بیٹے کا اور سمراسی کو ماں کا درجہ حاصل تھا۔ قدیم مصریوں میں ہر مندر میں تین بت ہوا کرتے تھے۔

1۔ دیوتا 2۔ دیوی 3۔ اور ان کا بچہ

لیکن یہ تینوں تثلیث فی التوحید کی صورت میں ہوتے تھے۔ قدیم مصریوں کی مشہور تثلیث اوسیریز (Osiris)، آئیسس (Isis)، اور ان کے بیٹے ہورس (Horus) ہوتی تھی۔ یہی مصری تثلیث اہل روم میں بڑی مقبول تھی[33]۔

قدیم تہذیبوں میں تثلیث کا اندازہ مندرجہ ذیل ٹیبل سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔

مصر	مراپس (بیل)	آئیسس (گائے)	حورس (بچہ)
فارس	آرموز	اناہتا	متھرا
ہندو	برہما (آسمان کا دیوتا)	وشنو (پانی کا دیوتا)	شیوا (زمین کا دیوتا)
یونان	زیوس (آسمان کا دیوتا)	ایتھن/پوزیڈان (پانی دیوتا	اپالو/ہیڈس (زمین کا دیوتا)
سمیری	آنو (آسمان کا دیوتا)	ایا (پانی کا دیوتا)	بیل (زمین کا دیوتا)
رومی	جوپیٹر (آسمان کا دیوتا)	نیپچون (پانی کا دیوتا)	پلوٹو (زمین کا دیوتا)

34

ہندو مت میں برہما، وشنو، اور شیو کی تثلیث رائج تھی[35]۔ ہندو تثلیث میں "برہما" خالق، "وشنو" محافظ، اور "شیو" تباہ کرنے اور دوبارہ پیدا کرنے والا ہے[36]۔ جبکہ بدھ مت میں بدھ، دھر اور سنگھ کی تثلیث (Buddhist Trinity) عام تھی[37]۔ دوسری طرف اشوری، بعل دیوتا اور شمس و قمر کی تثلیث کے قائل تھے[38]۔ مصری تثلیث جو آئی سیس(Isis)، آسیرس(Osiris) اور ان کے بیٹے ہورس(Horus) پر مشتمل تھی، اہل روم میں بڑی مقبول تھی[39]۔

ایک اور یونانی دیوتا "پروتھین" کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ نسل انسانی کی خاطر کوہ قاف کے دامن میں پہاڑ سے باندھا جاتا ہے۔ قہار، منتقم اور غضبناک خدا کے کارندے اس کے ہاتھ پاؤں میں کیلیں ٹھونکتے ہیں۔ وہاں وہ صلیب کی طرح ہاتھ پھیلائے نظر آتا ہے اور کہتا ہے "اس کی مرضی کے خلاف مجھے کوئی نہیں بچا سکتا"[40]۔ یعنی پروتھین نے خود کو کوہ قاف پر کیلیں ٹھونکوا کر کفارہ انسانیت کے لیے خود کی قربانی پیش کی تھی۔ اسی پروتھین کے بارے میں آج بھی یونان میں مشہور ہے کہ یہی پروتھین شفیع الاثمین ہے۔

اس کے علاوہ اطیس ایک اور دیوتا ہے جو درخت سے بندھا ہوا صلیب پر چڑھائے گئے تھے۔ اور اس کے جسم میں میخیں چبھی نظر آتی ہیں۔ درخت کے نیچے ایک بچھڑا بھی دکھایا جاتا ہے[41]۔

مسیحیت سے پہلے قدیم مذاہب میں فارس میں "متراس مت"(Mithraism) کو بہت اہمیت حاصل تھی۔ اس مذہب کے پیروکار اپنے دیوتا مترا یا متراس(Mithras) کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ:

متراس ایک نوجوان ہیرو اور دیوتا تھا، جو تکالیف میں عام لوگوں کی مدد کرتا تھا، اسے آسمان پر اٹھایا گیا، جہاں وہ اپنے پیروکاروں کے مفادات کا خیال رکھتا تھا، اور جہاں سے اتر کر اس کی آمد ثانی کی توقع کی جاتی تھی[42]۔

متراس (پولوس کی) قدیم عیسائیت سے کئی طرح مشابہہ تھا۔ اس کے پیروکار (آپس میں) خود کو (عیسائیوں کی طرح) "بھائی" کہہ کر پکارتے، اپنا سبت کا دن اتوار کو مناتے اور سالانہ تہوار 25 دسمبر کو۔ ان کے خدا "مترا" نے (ان کے نزدیک) قربانی دے کر نسل انسانی کو نجات عطاء کی۔ اور وہ خدائے اکبر اور انسان کے درمیان شفیع تھا[43]۔

علم انسانیت (Anthropology) اور عالمی عقائد و مذاہب کے مسیحی محقق فریزر (Frazer) "شاخ زریں" (The Golden Bough) میں لکھتا ہے کہ:

قدیم دستور کے مطابق کسی شہر یا ملک کا حاکم کسی عظیم خطرہ و ابتلاء کے موقع پر اپنے پیارے بیٹے کو ساری قوم کی طرف سے مرنے کے لیے پیش کرتا، تاکہ وہ (سب کی طرف سے) انتقام پسند شیاطین کے حضور میں فدیہ ہو۔

فریزر متعدد اقوام اور بالخصوص یونان اور روم میں اس جاہلانہ اور وحشیانہ رواج کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

ایک مرنے والے خدا کا قربانی کا بکرا بن کر اپنے عبادت گزاروں کو ساری تکالیف سے آزاد کرا لینے کا نظریہ۔۔۔

جب ہم اس افسوس ناک مغالطہ کی تاریخ وحشی اقوام میں اس کی خاص ابتداء سے لے کر مہذب اقوام کی قیاسی الٰہیات میں اس کی مکمل نشو نما تک ملاحظہ کرتے ہیں تو ہم اس طریقہ پر حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے جس کے ذریعہ (انسانی دماغ نے) قربانی کے بکرے کی گھٹیا اور احمقانہ رسم کو (بظاہر) ایسے ارفع تصور کی شکل دے دی ہے، جس کی رو سے ایک خدا مر کر ساری دنیا کے گناہ اٹھا لے جاتا ہے[44]۔

بیٹے کو قربان کر کے قوم کو آنے والی مصیبت سے بچانے کی غیر انسانی اور جاہلانہ رسم کا سوراغ عہد نامہ قدیم سے بھی ملتا ہے۔ مگر یہ رسم یہودیوں میں نہیں بلکہ بت پرستوں میں عام تھی۔[1☆]

بنی اسرائیل کے مخالف بت پرست موآبیوں میں بھی یہ رسم موجود تھی[45]۔ چنانچہ اسرائیلیوں سے ایک نہایت سخت جنگ کے موقع پر شاہ موآب نے اپنے پہلوٹھے بیٹے کو قربان کیا[46]۔ جبکہ اسرائیلیوں کو انبیاءؑ کی معرفت خدا کی تعلیم یہ تھی کہ سوختنی قربانیوں مینڈھوں، پہلوٹھے اور اولاد کی قربانی کی بجائے "خداوند تجھ سے اس کے سوا کیا چاہتا ہے کہ تو انصاف کرے اور رحم دلی کو عزیز رکھے اور اپنے خداوند کے حضور فروتنی سے چلے"[47]۔ انسائیکلوپیڈیا امریکانا کے مطابق:

انبیاءؑ کی تعلیم میں توبہ اور ندامت پر زور دیا گیا تھا۔ اور اسے ایسی بنیادی شرط قرار دیا گیا تھا جس کے بغیر صرف قربانیوں اور رسمی عبادات سے مغفرت کا حصول ممکن نہ تھا[48]۔

قدیم دیوتاؤں نے انسانی شکل وصورت میں زندگی بسر کی، ان پر موت بھی واقع ہوئی مگر پھر زندہ ہوئے۔ سری مذہب میں ایک مر کر زندہ ہونے والے خداوند سے انتساب کے ذریعہ نجات کے حصول پر زور دیتے تھے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ پولوس نے یسوع مسیح کے لیے جو "خرسس" (خداوند) کا لفظ استعمال کیا ہے یونانی لوگ عین یہی لفظ مر کر دوبارہ جی اٹھنے والے دیوتا کے لیے استعمال کرتے تھے۔[49]

حضرت مسیحؑ سے نو سو برس پہلے کے کتبات (جو 1904-1903ء کو بابل میں آثار قدیمہ سے ملے) سے واضح ثبوت ملتا ہے کہ بعل دیوتا کے بارے میں اہل بابل حیاۃ ثانیہ کا عقیدہ رکھتے تھے۔ بابل (اسیریا) کا علاقہ فلسطین کے ساتھ ہی ہے۔ اور اسیریا (بابل) کا علاقہ وہی ہے جہاں حضرت مسیحؑ سے قریباً نو صد سال پیشتر حضرت الیاسؑ مبعوث ہوئے تھے اور ان

☆ اس سلسلہ میں یاد رہے کہ ابراہیمؑ کی قربانی نہ تو اپنے آپ سے یا قوم سے کوئی مصیبت ٹالنے کے لیے تھی اور نہ کسی گناہ کی معافی کے سلسلہ میں۔

پیدائش ، 22:2,
22:7-13

بابل کے بت پرستوں کو فرمایا تھا کہ :

"وَاِنَّ اِلْیَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَoاِذْ قَالَ لِقَوْمِہٖ اَلَا تَتَّقُوْنَoاَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِیْنَ[50]"

اور الیاسؑ بھی یقیناً پیغمبروں میں سے تھے۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ : کیا تم لوگ اللہ سے ڈرتے نہیں ہو؟ کیا تم بعل (نامی بت) کو پوجتے ہو، اور اس کو چھوڑ دیتے ہو جو سب سے بہتر تخلیق کرنے والا ہے ؟

بعل دیوتا اس وقت کے مروجہ دیوتاؤں میں بڑا دیوتا تھا۔ اور آج بھی بابل کے کھنڈرات میں بعل کا ہشت منزلہ گرا پڑا مندر اپنی سطوت کا اعلان کر رہا ہے [51]۔ ان کتبات کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ بعل کو قید کر کے اس پر عدالت میں مقدمہ چلایا گیا۔ بعل کو زخمی کر کے اس پر تھوکا گیا۔ دو مجرموں میں سے ایک کو بعل کے ساتھ لے جا کر سزائے موت دی گئی۔ جبکہ دوسرے مجرم کو چھوڑ دیا گیا۔ بعل کو پہاڑ پر لے جانے کے بعد حادثاتی طور پر شہر میں طوفان مچ کے قتل وغارت ہونے لگا۔ بعل کے کپڑے اتار کر برچھا مارا گیا۔ بعل ایک پہاڑی کے اندر چلا جاتا ہے جہاں روشنی اور سورج نہیں پہنچتا۔ بعل پر محافظ پہرہ دیتے ہیں۔ بعل کو جس جگہ رکھا گیا وہاں ایک عورت روتی ہوئی بہت سے لوگوں کے ساتھ بعل کو ڈھونڈتی اور تلاش کرتی ہوئی آتی ہے۔ اور رونے کی انداز میں اے میرے بھائی اے میرے بھائی کے نعرے لگاتی ہے۔ جس پر بعل پھر زندہ ہو کر پہاڑ سے باہر نکل آتا ہے۔ بعل کے دوبارہ جی اٹھنے کی تقریب میں بت پرست اہل بابل موسم بہار میں خوشی کی ایک تقریب کا انتظام کرتے ہیں [52]۔

اس پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے ایک غیر جانبدار محقق بآسانی یہ نتیجہ اخذ کر سکتا ہے کہ الوہیت وابنویت ، تجسیم اور تثلیث جیسے خیالات اور کہانیاں حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے بہت پہلے یونان اور رومی تہذیب میں زبان زد عام تھیں۔۔ کنواری عورت سے مجسم الہٰ پیدا بھی ہوتا ہے۔ اور وہ انسانوں کی خاطر صلیب پر قربانی دے کر مرتا بھی ہے۔ پھر زندہ ہو کر آسمان کی طرف صعود بھی کرتا ہے۔۔۔ اور چونکہ اس وقت یونان اور رومی تہذیب کا چرچا اور غلبہ تھا، لہٰذا ان تہذیبوں (قصوں) نے پڑوسی مذاہب کے خیالات وافکار کو بڑی حد تک متاثر کیا۔ اور پھر خصوصاً اس مذہب (مسیحیت) کو جس کا بانی بھی بہت کم دورانیے کے لیے شاگردوں کے درمیان رہا۔ لہٰذا ان تہذیبوں نے مسیحیت پر اپنے گہرے اثرات مرتب کئے۔ جس کے نتیجے میں بعد کی مسیحیت اور ان قدیم تہذیبوں میں گہری مشابہت نظر آتی ہے۔ اناجیل کے مرتب کرنے والے مصنفین نے ان تہذیبوں کے زیر اثر ان کے عقائد وافکار کو اپنی تحریروں میں شامل کر لیا [53]۔ جس سے یورپی مورخین بھی متفق ہیں کہ موجودہ مسیحیت کی مذہبی تحریروں پر یونانی اور رومی فلسفے کا گہرا اثر ہے۔ اس وجہ سے مشہور مؤرخ ٹائن بی نے "مطالعہ تاریخ"، جلد 6 میں اس بات کو تکرار کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ جبکہ مسٹر ہٹی کے خیال میں مسیحیت کو تمام دنیا میں قابل اشاعت بنانے کے لیے انجیل نگاروں نے اس میں یونانی خیالات کی آمیزش کی۔ ورنہ مسیحیت کو کبھی یونانی اور

رومی تسلیم نہ کرتے اگر اس میں یونانی عقائد شامل نہ کر لئے جاتے[54]۔

حضرت مسیحؑ کی پیدائش سے (5یا6ق م) قبل ان خیالات اور توہمات کا چرچا تھا کہ دیوتا یا الٰہ جب نازل ہو کر کسی عورت کے ساتھ اتصال کر کے حلول کر جاتا ہے تو اس کے نتیجہ میں بادشاہ یا معبود پیدا ہو گا۔اور پھر انہی بادشاہوں کو خدائی کا درجہ دیا جاتا۔احتراماً لوگ ان کے پاؤں کا بوسہ لیتے تھے۔ان کے فرامین وحی الٰہی کا درجہ رکھتے اور ان سے روگردانی جرم عظیم اور گناہ کبیرہ سمجھا جاتا تھا۔اسی سوچ و فکر نے بعد میں انسان کی الوہیت کا راستہ فراہم کیا۔

یونان اور روم میں موجود تجسیم اور حلول کے ایسی ذہنی فضاء سے متاثر مسیحی خیالات کی تبلیغ اور اشاعت دشوار نہ تھی کہ مسیح نے جو آسمانی باپ کا تخیل پیش کیا تھا اس کا مطلب یہ ہے کہ مسیح خدا کا بیٹا تھا۔اور مسیح کی صورت میں خود خدا کا مجسم ہو کر نجات انسانی کے لیے دنیا میں آیا۔ مسیحیت کی اسی خیال و فکر کو قدیم یونانی افکار سے بہت تقویت ملی۔ قدیم تہذیبوں کے عین یہی خیالات کی آمیزش کر کے عہد نامہ جدید کے مرتبین نے مسیحیت کے دینی ادب کو اس سے روشناس کرایا اور مسیحیت کو ان علاقوں میں پھیلنے کے قابل بنا دیا جن علاقوں میں یہی خیالات پہلے سے گردش کر رہے تھے۔

موجودہ مسیحیت جس نے الوہیت و ابنویت اور تجسیم و تثلیث کے غیر معقول فلسفے کو گھڑ ڈالا حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات سے ان کا دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔

ٹرٹولین نے اس امر کو تسلیم کر کے اور پگن کو مخاطب کر کے لکھتا ہے کہ تمہارے سب کے سب خدا تو وہی تصویریں ہیں جو صلیبوں پر نظر آتی ہیں۔اور وہ موت نسل انسانی کے گناہ کے کفارہ میں تسلیم کی جاتی ہے[55]۔

یہ سب کچھ صرف اور صرف ان اقوام کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی خاطر کیا گیا کہ ان کے اندر پولس کے مذہب کو داخل کیا جائے۔پولوس نے مسیحیت کو ان معاشروں میں مقبول بنانے کے لیے حضرت مسیحؑ کو اس دور کے دیوتاؤں کی روپ میں پیش کیا۔اور وہ روایات جو مسیحیت سے پہلے دیوتاؤں سے منسوب تھیں۔پولوس اور اس کے حواریوں نے حضرت عیسیٰؑ سے منسوب کر کے ان کی سادہ تعلیمات پر دیومالائی رسوم و شعائر کا پیوند لگا کر حقیقی مسیحیت کا حلیہ ہی بگاڑ کر رکھ دیا۔اب اس بات کے کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں کہ موجودہ مسیحیت ان اقوام سے ماخوذ اور مستعار لی گئی ہے[56]۔

مذکورہ ان تمام حقائق کی بناء پر جرمن محققین نے پولوس کو "موجد عیسائیت" (Inventor of Christianity)[57]۔اور "محرف انجیل یسوع" (Corrupter of the Gospel of Jesus) جیسے القاب کے ساتھ ذکر کیا ہے[58]۔ جبکہ وردے اور بہت سے دوسرے مفکرین و مصنفین نے اسے بجا طور پر

"کلیسائی عیسائیت کا بانی جو کہ عیسیٰ کی عیسائیت سے ممتاز و مختلف ہے، قرار دیا ہے[59]۔

غرض یہی حقائق پیش نظر رکھتے ہوئے ہمارے پاس اس بات کو تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ مروجہ عیسائیت کا

حضرت عیسیٰؑ سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ بت پرستی کا ایسا سلسلہ ہے جو الہام کے نام پر پیش کر کے لوگوں کو دھوکہ دیا جاتا ہے۔ اور اسی بات کا کلیسا کو بھی اقرار ہے کہ ہمارے پاس یسوع مسیحؑ کے بالکل درست الفاظ کا ریکارڈ ہی موجود نہیں ہے۔

نتائج:

1. انسان کو الوہیت کی نسبت کرنا قدیم تہذیبوں کی مذہبی تاریخی کہانیاں مقارنۃ الادیان کی کتب میں مذکور ہیں۔
2. الوہیت وابنویت اور تجسیم و تثلیث جیسے خیالات کا حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے بہت پہلے یونانی اور رومی تہذیب میں چرچا تھا۔
3. ان تہذیبوں (قصوں) نے پڑوسی مذاہب کے خیالات وافکار کو بڑی حد تک متاثر کیا۔
4. مروّجہ مسیحیت کا غیر معقول فلسفہ اور عقائد (الوہیت وابنویت اور تجسیم و تثلیث وغیرہ) حضرت مسیحؑ کے نظریات وفرمودات کی تعبیر نہیں۔
5. اس قسم کے عقائد دراصل یونانی اور رومی بت پرستوں کے خیالات وافکار ہیں۔
6. یونانی خیالات میں امیزش کر کے انجیل نگاروں نے مسیحیت کو عالمی دنیا میں پھیلنے کے قابل بنا دیا۔ ورنہ مسیحیت کو کبھی یونانی اور رومی تسلیم نہ کرتے اگر اس میں یونانی عقائد کی امیزش نہ ہوتی۔
7. حضرت مسیحؑ کی سادہ تعلیمات پر دیوتاؤں سے وابستہ رسوم وشعائر کا پیوند لگا کر اناجیل کے مصنفین نے مسیحیت کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔ اب اس بات کے کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں کہ موجودہ مسیحیت ان اقوام سے ماخوذ اور مستعار ہے۔
8. یہ سب کچھ صرف اور صرف ان اقوام کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی خاطر کیا گیا۔
9. محققین نے پولوس کو "موجد عیسائیت"، "محرف انجیل یسوع" "اور کلیسائی عیسائیت کا بانی جو کہ عیسیٰؑ کی عیسائیت سے ممتاز و مختلف ہے، قرار دیا ہے۔

CC BY

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حوالہ جات(References)

1۔ ول ڈیورانت، قصۃ الحضارۃ، ترجمہ محمد بدران، الادارۃ الثقافیۃ فی جامعۃ الدول العربیہ، 1968، ج6، ص310

Will Durant, Qisatul Hazara, Translated by Muhammad Badran, aledartu saqafia fe jameateduwal alarabia, 1968, volume 6,P 310

2۔ Encyclopedia Britanica, 1969, volume10, P 868

3۔ Grimal Pierre, The Dictionary Of Classical Mithology, Oxford Blackwell 1998 "IRIS" PP. 237-238

https://greekgodsandgoddesses.net/gods/hermes

4۔ Rawlinson George, The Religion of the Ancient World, Award publishing House, New Delhi,1980 PP 213-214,

Craig Albert & Cs, The Heritage of world Civilization, Macmillan pub co, New York,1986, P 110

5۔ رشید احمد، "تاریخ مذاہب"، زمرد پبلی کیشنز کوئٹہ 2002، ص175

Rasheed Ahmad, Histery of Religion, Zamarud publication Quetta 2002, p 175

6۔ Cotterell Arthur, A Dictionary of World Mythology, Oxford University Press, Melbourne, 1986, P 154-155

7۔ قصۃ الحضارۃ 6:330تا335

Qisa tul Hazar, volume 6, pp 330-335

Arthur Cotterell, A Dictionary of World Mythology, Oxford University Press, Melbourne, 1986, pp. 154-155

Dr Abdul Hamid Qadri, Dimension Of Christianity,Dawah Academy International Islamic University Islamabad p. 43

8۔ قصۃ الحضارۃ 6:330335

Qisa tul Hazara, volume 6, pp 330-335

Dictionary of World Mythology, Oxford Press, Melbourne, 1986, pp. 154-155,

Ibid Dimention of Christianity, p. 43

9۔ قصۃ الحضارۃ، ج6، ص299-300

Qisa tul Hazara, volume 6, pp 299-300

10۔ الموسوعۃ الفلسفیۃ المختصرۃ، ترجمہ فواد کامل وجلال العرش وعبدالرشید الصادق، مکتبۃ الانجلوالمصریۃ، 1982، ص، 16

Almawsoa tul falsafia almukhtasar, translated by Fawad kamil, Abdur Rasheed, Maktaba tul enjlo Egypt, 1982, p16

11۔ عمر فروخ، تاریخ الفکر العربی الی ایام ابن خلدون، د، المکتب التجاری بیروت، الطبعۃ الاولی، 1382ھ، 1962م، ص59

Umer Farokh, Tarikh ul Fikr Alarabe, First edition, 1962, almktaba tijare Berot, p 59

12۔ قصۃ الحضارۃ، ج6، ص293-346، عبقریۃ المسیح فی التاریخ وکشوف العصر الحدیث

Qisa tul Hazara, volume 6, p 293-346

13۔ الموسوعۃ الفلسفیۃ المختصرۃ، ترجمہ فواد کامل وجلال عرش، مکتبۃ الانجلو المصریۃ 1982، ص16

Almawsoa tul falsafia almukhtasar, translated by Fawad kamil, Abdur Rasheed, Maktaba tul enjlo egypt 1982,p16

14۔ موسوعۃ عباس محمود الفقاد الاسلامیۃ (توحید وانبیاء)، دار لکتاب العربی، بیروت لبنان، الطبعۃ الاولی، 1970، ج1، ص146

Encyclopedia of Islam, first edition Mahmood Alfuqad, darul ketab alarabe Berot Labnan, 1970, vol 1, p 146

15۔ قصۃ الحضارۃ 38:5

Qisa tul Hazara, vol 5, p 38

16۔ قصۃ الحضارۃ، ج7، ص207،206

Qisa tul Hazara, vol 7, pp 206-207

17۔ محمد طاہر التنیر، العقائد الوثنیۃ فی دیانۃ النصرانیۃ، ص95،94، بدون سنۃ

Muhammad Tahir Attanseer, Alaqaed ul wasnia fe diyanat un nasrania, pp 94-95

18۔ Craig Albert & Cs, The Heritage of worldCivilization, Macmillan pub Co, New York, 1986, P 70

19۔ العقائد الوثنیۃ، ص94

Muhammad Tahir Attanseer, Alaqaed ul wasnia fe diyanat un nasrania, p 94

20۔ الطحاوی، المستشار محمد عزت، مقارنۃ الادیان، ص94، النصرانیۃ ولاسلام، مکتبۃ النور، مصر، طبع دوم، 1987

Atahawe Almustashar Muhammad Azzat, Comparative Religion, second edition, maktaba tun noor, Egypt, 1987, P 94

21۔ قصۃ الحضارۃ، ج9، ص29

Qisa tul Hazara, vol 9, p 29

22۔ العقائد الوثنیۃ، ص720

Muhammad Tahir Attanseer, Alaqaed ul wasnia fe diyanat un nasrania, p 720,
F.W. Farrar: Life of Christ, London, p. 52

23۔ العقائد الوثنیۃ، ص94، مجمل تاریخ العالم، ترجمہ ابراہیم میخائل، عودہ، دار الایقظہ العربیہ بدون سنۃ، ص188

Muhammad Tahir Attanseer, Alaqaed ul wasnia fe diyanat un nasrania, p94,
Mujmal Tarikh ul aalam, translated by Ibraheem Mekhael, Darul aiqaza alarabia, P 188

24۔ قصۃ الحضارۃ، ج10، ص36 — Qisa tul Hazara, vol 10, P 36

25۔ قصۃ الحضارۃ، ج10، ص124،109 — Qisa tul Hazara, vol 10, PP 109-124

26۔ قصۃ الحضارۃ 18:1 — Qisa tul Hazara, vol 1, P 18

27۔ قصۃ الحضارۃ 533:7 — Qisa tul Hazara, vol 7, P 533

28۔ Edward Gibbon, Decline and Fall of the Roman Empire, London,1879, vol. 2, P 335-336

29۔ J.Hastings, Dictionary Of The Bible, p. 143

30۔ http://www.badnewsaboutchristianity.com/bd0_ideas.htm,
Dioses, Origen of Religion Beliefs, P 135

31۔ پادری پروفیسر یوحنا خان، جغرافیہ بابل،96مطبوعہ 1993، ص168-96
Priest Professor John Khan, Jughrafia Babal,1993,pp 96-168

32۔ پیدائش9: 10 Genesis 9:10

33۔ Will Durant, Story of Civilisation,vol. 3, p. 588, New York, 1972, P 588; Arabic Edition, 11:275;
C.F. Potter, The Faiths Men Live by,Surrery, 1913, P 116

34۔ Watch Tower Bible Society, Trinity

35۔ J.N.Farquhar, An Outline Of Religious Literature Of India, , London, 1920, P 148;
The Chamber's Encyclopedia,vol. 10, p. 295, 1901

36۔ Sir William Wilson Hunter,A Brief History Of The Indian People, 1888, p. 54

37۔ Marcus Dods, D.D. Muhammad, Buddha and Christ, London, London, 1894 p. 183

38۔ Will Durant,The Story Of Civilization, vol. 3, p. 595

39۔ Will Durant,The Story Of Civilization, vol. 3, p. 588 ; Arabic edition, 11:275;
C.F.Potter : The Faiths Men Live by, p. 116

40۔ Hesiod, Theogony, Translated by Evelyn White H.G. 507-616, William Heinemann Pub, London 1914, PP 507-616

41۔ خواجہ کمال الدین، ینابیع المسیحیت، مسلم بک سوسائٹی لاہور، ص81 حاشیہ
Khwaja Kamalud Din, yanabeul masehiat, Muslim Book socity Lahore,p 81 foot note

42۔ C.F.Potter, The Faiths Men Live By , Surrery, 1913,P. 117

43۔ Herbert Mullar, The Uses of the Past, p. 156, footnote

44۔ Frazer, The Golden Bough,Human Scapegoat In Classical Antiquity, Macmillan& Co 1922, Ch 58:1

45۔ J.P Boyd: Bible Dictionary, Holman Bible Publishers USA 1979,P 66

46۔ 2سلاطین2:27 2Kings, 2:27

47۔ میکاہ6:6تا8 Micah 6:6-8

48۔ Encyclopedia Americana, 1958, vol. 2, p. 154

49۔ Ross and Hills, Great Religions By Which Men Live, New York 1966, P137

50۔ الصفت، 37:123-125 Al Quran, 37:123-125

51۔ مشرق کی نابود شدہ تہذیب، پنجاب ریلیجس سوسائٹی، لاہور، ص13
Mashriq ke Nabod Shuda Tahzeeb, Panjab Religious Socity, Lahore, P 13

52۔ خواجہ کمال الدین، ینابیع المسیح، مسلم بک سوسائٹی، لاہور، ص78
Khwaja Kamalud Din, yanabeul masehiat, Muslim Book socity Lahore, P 78
Christian Journal "Kost" Review of Religions, September,1923

53۔ Arnold Toynbee, A Study of the History,Oxford University Press,1987, pp261-266
Royston Pike: Encyclopedia of Religion, 1958, Art, Incarnation

54۔ Philip K. Hitti, SYRIA, A Short History, Macmillan and co, London/NY 1951/61, Ch 25, P 331

55۔ خواجہ کمال الدین، ینابیع المسیحیت، مسلم بک سوسائٹی لاہور، ص82حاشیہ
Khwaja Kamalud Din, yanabeul masehiat, Muslim Book socity Lahore,p 82 foot note

56۔ A Lion Hand Book: The World’s Religions, Published By Lion Book,1982 col. 1 P 89

57۔ The Story of Civilisation, London vol. 1,P 258

58۔ J.Lehman, The Jesus Report, London, 1972, P 126

59۔ Encyclopedia Britanica, 1962, vol. 17, P 395,

J.Lehman, The Jesus Report, London 1972, P 127